OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.9 Issue 10 December 2021

قرآنی آیات کی روشنی میں فلسفہ خیر وشر کا تجزیہ

PHILOSOPHY OF GOOD & EVIL: AN ANALYSIS IN THE LIGHT OF QUR'ANIC VERSES

Ayesha Qaisar
Ph.D Scholar, Gift .University Gujanranwala.

Dr. Mustaeez Ahmad Alvi
Director, Faculty of Arts & Social Sciences, Gift University, Gujranwala.

Abstract: Philosophy & Religion share some basic elements to ponder over; the concept of Good & Evil, is one of the most important notions in these both searches and explanations of the Reality. Since the time immemorial, Religion has inculcated to human mind the basic concepts of good and evil; the Holy Qur'an has given a comprehensive philosophy of Good & Evil in its universal paradigm. The Philosophy has taken up this subject in its particular way. *Good* is associated with life of happiness, love & justice. *Evil* is considered to be a deliberate wrongdoing, discrimination designed to harm others. The following study introduces the basic concepts about good and evil, as it is explained by the important philosophical theories presented by philosophers. On the other hand, this study explains the divinely inculcated concepts about Khair o Shar in the noble Qur'an, as interpreted by its exegesis.

Keywords: Nature & Reality, Good & Evil, Philosophy & Religion, Morality & Ethics.

ابتدائیہ

خیر و شر کی اصطلاح ،اردو زبان میں عربی کے دو الفاظ "خیر" اور "شر" سے تشکیل پائی ہے۔ خیر کے معنی پسندیدہ، مفید اور خوشگوار کے ہیں، یعنی اچھائی، بھلائی، ہمدردی اور خلوص وغیرہ۔ اس کے برعکس صفات وخواص، شر کے زمرے میں آتے ہیں، یعنی ہر وہ چیز، فعل اور رویہ، جو ضرر رساں اور ناپسندیدہ ہو، شر کے زمرے میں آتے ہیں۔

انسانی دنیا کا معاشرتی نظام اسی مرکزی سوال کے گرد گھومتا ہے کہ اچھائی کیا ہے اور برائی کیا ہے؟ نیکی اور بدی، صحیح اور غلط کیا ہے؟ ہم زندگی کے اکثر معاملات میں یہ فیصلہ کرنے کے عمل سے دوچار ہوتے ہیں کہ یہ اچھا کام ہے اور وہ برا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سوچ کی بنیاد اور سرچشمہ کیا ہوتا ہے اور وہ کونسی نفسیاتی قوت ہے جو اچھے اور برے کی تمیز سکھاتی ہے؟ کیا خیر اور شر کا فیصلہ انسانی عقل کرتی ہے یا انسانی وجدان؟ کیا یہ تمیز خدائی شعور کی عطا ہے یا انسانی جستجو کا نتیجہ؟ آخر انسانی شعور یہ کس طرح ادراک کر لیتا ہے کہ یہ کام خیر ہے اور وہ شر ہے، یہ باطل ہے اور وہ حق؟ یہ اور اس طرح کے بنیادی سوالات، جس طرح علم اخلاق کا بنیادی موضوع ہیں، اسی طرح یہی سوالات، مذہب اور فلسفے کا مرکزی حصہ ہیں۔

ماہرین لغت کے مطابق خیر وہ ہے جو سب کو مرغوب ہو، جیسے عدل، فضل اور ہر مفید چیز۔ خیر کی ضد شر ہے۔۔۔اور شر، ہر وہ چیز جو ہر ایک کو ناپسند ہو۔[1] گویا خیر، ہر وہ چیز جو مفید ہونے کی بنا پر پسندیدہ ہو اور شر، ہر وہ چیز جو نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ ہو۔ اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ خیر و شر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ انگریزی زبان میں خیر کے لیے متبادل لفظ Good اور شر کا متبادل Evil استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی کی تمام معروف لغات میں Good کے معانی، اخلاقی قدر، خوشگوار، پسندیدہ، قابل اطمینان اور دلچسپ، بتائے گئے ہیں، اور Evil/Bad کے معنٰی برا، ناپسندیدہ اور ناخوشگوار کے آتے ہیں۔[2]

کسی شے کی حقیقت جاننے اور بیان کرنے کے لیے عموماً دو مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے؛ ایک تو اس کے عناصر ترکیبی کی پہچان کر کے، تحلیل و تجزیہ کے عمل سے گذارا جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ ایک جامع اور منطقی تعریف کے ذریعے اس شئے کا ذہنی خاکہ ترتیب دیا جاتا ہے، جس سے اس شئے کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔ تحقیق و جستجو کے اسی طریق کو اپناتے ہوئے خیر و شر کی حقیقت کا کھوج، انسانی عقل و شعور کے ذریعے لگایا جائے تو پہلے مرحلہ میں اہل فلسفہ سے رجوع لازم آتا ہے، اس لیے کہ فلسفہ ایسی تلاش حقیقت کا نام ہے، جس کی بنیاد انسانی تعقل پر قائم ہو۔

یونانی فلاسفہ کے افکار میں خیر و شر

یونانی فلسفے کا باوا آدم، سقراط[3] (Socrates: BC 469-399) کہتا ہے کہ انسان فطرتاً خیر کا طالب اور شر سے گریزاں ہے۔ کوئی شخص بدی کو بدی جان کر اس کا مرتکب نہیں ہوتا، بلکہ ہر قسم کی بدی کا مرتکب اس کو کسی نہ کسی طرح کی بھلائی ہی سمجھ کر کرتا ہے۔ بدی کو بھلائی سمجھنا دراصل ہر قسم کی غلط کاری کی بنیاد ہے اور برائی کا ارتکاب صحیح علم کے نہ ہونے کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ہر قسم کی بداخلاقی درحقیقت جہالت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نیکی علم سے اور بدی جہل سے سرزرد ہوتی ہے۔[4]

سقراط کے مطابق علم نیکی ہے اور نیکی علم۔ علم، اخلاقی اعمال کی بنیاد ہے، جو شخص نیکی کو جانتا نہیں وہ نیکی نہیں کر سکتا۔۔۔ دوسرے لفظوں میں آگہی خیر ہے اور لاعلمی شر۔[5] اس کے نزدیک نیکی کے مفہوم کو جان لینا، نیک کام کرنے کے مترادف ہے۔ بالفرض کوئی شخص خیر کو جاننے کے باوجود کوئی برا کام کرتا ہے تو سقراط کے خیال میں اس شخص سے بہتر ہے جو نیکی کا مفہوم جانے بغیر نیک کام کرتا ہے۔ سقراط کے شاگرد، افلاطون[6] (Plato: BC 428 - 347) کا نظریہ اخلاق اس کی اپنی مابعد الطبعیات کے زیر اثر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان روح اور مادہ کا مرکب ہے، عقل روح کی ایک صفت ہے، جب کہ جسم مادہ ہے اور حیوانی جبلات اس کی خصوصیات ہیں۔ افلاطون کے مطابق وہ افعال خیر ہیں جو لذت فراہم کرتے ہیں اور شر وہ ہے جو تکلیف کا سبب بنے۔ یہ لذت روح کی ہے اور تکلیف بھی روح سے محسوس کی جاتی ہے:

> Instead, Plato, largely confines himself to the depiction of the good soul and the good for soul, evidently on the assumption that the state of the soul is, the condition of the good life, both necessary and sufficient to guarantee it.[7]

> (بلکہ افلاطون، اپنے آپ کو زیادہ تر اس بات پر محدود رکھتا ہے کہ اچھی روح کیا ہے اور روح کے لیے اچھا کیا ہے! بدیہی طور پر اس کا خیال ہے کہ روح کی خوشگواری، زندگی کی خوشگواری کے لیے ضروری اور کافی ضمانت ہے۔)

یہ سوال کہ کسی فعل کے صحیح اور غلط یا خیر اور شر ہونے کے فیصلے کیسے کیے جاتے ہیں؟ اس بات کے جواب میں افلاطون کہتا ہے کہ معاشرے کے رسوم و رواج، خیر اور شر کا معیار قائم کرنے میں انسان کی مدد کرتے ہیں۔ کسی فرد کی انفرادی شعوری بلوغت سے قبل، معاشرے میں اخلاقی افعال کی قدر و قیمت کا تعین ہو چکا ہوتا ہے۔ یہی معیارات انسان کی

نشو ونما کے ساتھ ذہن میں رچ بس جاتے ہیں۔ پھر عقل انسان میں فکری بصیرت پیدا ہوتی ہے تو وہ خود خیر وشر کی پہچان، عقلی طور پر جانچ پرکھ کے بعد کرتا ہے اور اس کی قدر و قیمت متعین کرتا ہے۔ لہٰذا وہ کہتا ہے:

> Wise men speak because they have something to say; fools because they have to say something.[8]
>
> (دانا لوگ اس لیے کلام کرتے ہیں کہ ان کے پاس کہنے کو کچھ ہوتا ہے، جبکہ احمق اس لیے کہ انہیں بس کچھ کہنا ہوتا ہے۔)

ارسطو[9] (Aristotle: BC 384 - 322)اپنے نظریات میں میانہ روی کو بنیاد بناتا ہے۔اس کے خیال میں فضیلت،اعتدال کا نام ہے جو احساسات وجذبات کو عقل کے تابع رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ان کو دبا دینے یا کھلی چھٹی دینے کی دونوں انتہاؤں سے بچنا لازمی ہے۔ فضیلت دو انسانوں کے درمیان وسط زریں ہے گویا فضیلت دو بدیوں کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ تمام معاملات میں جذبات کی افراط بھی شر اور بدی ہے اور تفریط بھی شر اور بدی ہے۔

ارسطو کے ہاں ایک طرف تو تعدیلی انصاف کا تصور ہے[10] جس سے مراد نیکوکار افراد کو ان کے اخلاقی افعال کے مطابق جزا دینا ہے تاکہ انکی حوصلہ افزائی کی جا سکے۔ دوسری طرف قانونی انصاف ہونا چاہیے جس سے مراد بدکار افراد کو ان کے اخلاقی افعال کے مطابق سزا دینا ہے تاکہ انکی اصلاح ہو سکے۔

> Reciprocity is the basis of desert—good deeds should be rewarded and bad deeds punished.[11]
>
> (مساوی بدلے کی بنیاد، استحقاق کو ہونا چاہیے۔ اچھے کاموں کی جزا ہونی چاہئے اور برے اعمال کی سزا دی جانی چاہئے۔)

ارسطو کے نزدیک خیر، اعتدال ہے اور اعتدال سے بڑھنا، شر کی طرف جانا ہے۔ کسی خیر کو ڈھونڈنے سے بہتر ہے کسی چیز میں خیر پیدا کی جائے۔ یوں مسرت اور خوشی خود پیدا ہو جائے گی جب ہم اپنے ہر کام بہترین طریقے پر سرانجام دیں۔ اپنے من کی مسرت، دوسروں کی خوشی کی کوشش کرنے میں مضمر ہے۔[12]

ابیقیورس[13] (Epicurus: BC 341-270) نے یہ تعلیم دی کہ تمیز نیک و بد کا معیار خود ہر فرد کا احساس ہے۔ فقط لذت ہی خیر مطلق ہے اور تمام لوگ اسی کے حصول کی کوشش اور اسی طرح شر مطلق ایک غم ہے جس سے تمام لوگ بچنا چاہتے ہیں۔[14] خوشی اور لذت ہر عمل کا انتہائی مقصد ہے۔ لذت کا حصول کسی حاجت کو رفع کرنا، جو کسی

ناخوشگواری حالت کے دور کرنے کا نام ہے۔ انسان کو چاہیے کہ خواہشوں سے پرہیز کرنے اور ان کو ضبط کرنے کی کوشش کرے اور سادہ چیز پر مطمئن ہو تاکہ روح کا سکون حاصل کر سکے۔ ابیقورس کے نزدیک نیکی اس قدر ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر مکمل خوشی کا حصول ممکن نہیں ہے۔۔۔ مرد عاقل وہ ہے جو غلط راستے کی پیروی نہیں کرتا وہ انسانوں کے اندر دیوتا کی طرح ہے۔[15]

جدید مغربی فلاسفہ کے تصورات

جدید مغرب کا فکری احیاء جس نے پوری دنیا کو متاثر کیا، سولہویں صدی کی نشاۃ ثانیہ سے شروع ہوتا ہے۔ نشاۃ ثانیہ کا اہم ترین فلسفی رینے ڈیکارٹ[16] (Descartes: 1594 – 1640) ہے، جس نے مغربی فلسفے کو جدید بنیادوں پر استوار کیا۔ ڈیکارٹ روح کو خیر اور نفس کو شر سے تشبیہ دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ روح اور نفس دو جوہر ہیں۔ ان کا مبداء خدا کی ذات ہے:

> God is not merely an omnipotent creator, but a supremely good source of truth.[17]

(خدا محض ایک قادر مطلق خالق نہیں بلکہ سچائی کا اعلیٰ بہترین ذریعہ ہے۔)

آپ جو بھی کام کرتے ہیں اگر اس سے آپ کی روح کو سکون ہے اور وہ مطمئن ہے تو وہ کام بھلائی کا ہے اور ایسے کام جو آپ کی سوچ کو کشمکش میں ڈال دیں اور آپکی روح کا غیر مطمئن ہونا ثابت کرتے ہوں تو وہ کام شر ہیں۔ تاہم، ڈیکارٹ کا خیال ہے کہ انسانی عقل خیر کی تلاش میں خود کفیل ہے، نیکی کا شعور استدلال پر ہونا چاہیے جو کہ ہمارے اعمال کی راہنمائی کرے۔ اس کے خیال میں انسانی عقل سے بالا کوئی ذریعہ شعور نہیں ہے، یہی مثبت اور منفی صلاحیتوں کا مرکز ہے، اسی لیے وہ کہتا ہے:

> The Greatest minds are capable of the greatest vices as well as of the greatest virtues.[18]

(عظیم ترین ذہن، عظیم ترین بدی کے اہل ہیں اور عظیم ترین خوبیوں کے بھی!)

جدید دور کا سب سے مؤثر جرمن فلسفی عمانوئیل کانٹ[19] (Kant: 1724 - 1804) کہتا ہے کہ:

> The only thing that is absolutely good, good in itself and without qualification, is the good will. All other intrinsic

goods, both intellectual and moral, can serve the vicious will and thus contribute to evil.[20]

(صرف ایک ہی چیز جو بذات خود اور قابلیت کے بغیر، بالکل اچھی ہے، نیک نیتی ہے۔ تمام دیگر فطری اچھائیاں جو عقلی ہوں یا اخلاقی، نفسانی خواہش کے تابع کر، بدی کا حصہ بن سکتی ہیں۔)

جدید دور کے دیگر اہم مفکرین، جے ایس مل[21] John Stuart Mill، جیمز مل[22] James Mill اور بینتھم[23] Bentham صرف خوشی کو اچھائی اور تکلیف کو برائی سمجھتے ہیں۔[24] دوسری طرف، فریڈرک نطشے[25] (Nietzsche: 1844 - 1900) انسانی زندگی کے اخلاقی مفہوم سے ہی انکاری ہے۔اس نے نہ صرف مروجہ فلسفہ اخلاق کی دھجیاں بکھیر دیں بلکہ مذہب مسیحیت کی اخلاقیات کے پرزے پرزے کر دیے۔

نطشے کی نزدیک، نظریہ نہیں فرد اہم ہے،اس کی مادی ضروریات اہم ہیں،اور یہ حق انسان کو خود حاصل ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا۔اس کے خیال میں خیر اور شر کے پیمانے، جو یونانی افکار اور جدید مغربی فلسفیوں نے تشکیل دیے ہیں، سب دھوکہ اور فریب ہیں۔ انہوں نے فرد کو اجتماع پر قربان کر دیا ہے۔۔۔ مذہبی تعلیمات اور اخلاقی اصول بھی لوگوں کو غلامی اور کاہلی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ انسان اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھے اور غلامی کے طوق کو اتار پھینکے۔[26]

تلخیص افکار

دور جدید کے انسانی معاشروں میں، کچھ سوچ کے دائرے ایسے بھی ہیں، جو کہ خیر و شر کی حدود کو آپس میں خلط ملط کرتے ہیں۔ وہ اپنی سوچ کے مطابق خیر کا کام کرتے ہیں مگر وہ حقیقتاً شر آمیز ہوتا ہے۔ یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ لوگ خیر و شر کے اختیار کرنے میں اپنی پسند و ناپسند اور مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ کچھ مفکرین یہ سمجھتے ہیں کہ خیر اور شر کے تصورات کی بنیاد انسانی عقل ہے۔ بعض دیگر یہ سمجھتے ہیں کہ خیر اور شر کا تعین انسان کے فطری شعور کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ایک نظریہ فکر یہ بھی ہے کہ خیر و شر کا شعور انسان اپنے ماحول سے اخذ کرتا ہے۔

اخلاقی مطلقیت Moral Absolutism کا نظریہ کہتا ہے کہ انسانی اعمال فی نفسہ اچھے یا برے ہوتے ہیں۔ اعمال خیر اپنی فطرت کے اعتبار سے اچھے اعمال ہوتے ہیں اور اعمال شر فطرتاً، بد ہوتے ہیں۔ مثلاً طاقت کا استعمال برا ہے بے شک وہ کسی کے فائدے میں ہو۔ چوری کرنا برا ہے بے شک چوری کرنے والا غریب کی مدد کے لیے کرے۔[27]

اخلاقی اضافیت Moral Relativism کی فکر کے مطابق ، اچھائی اور برائی اضافی تصورات ہیں۔ یہ اپنے اپنے حساب سے ہر کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ اپنے اپنے علاقائی کلچر یہ طے کرتے ہیں کہ غلط کیا اور صحیح کیا ہے۔ ایک علاقے کی رسم کے مطابق ستی کی روایت کے تحت بیوی کو بھی مردہ خاوند کے ساتھ جلنا ہوتا ہے جب کہ دوسری جگہ یہی ظلم ہوگا۔[28]

نتائجیت Consequentialism کا فلسفہ یہ سمجھتا ہے کہ انسانی عمل کے برے اور اچھے ہونے کا دارومدار، اعمال کے نتائج پر ہے۔ گویا، کسی عمل کا نتیجہ اگر اچھا نکلتا ہے تو وہ عمل اچھا شمار ہوگا، بے شک بظاہر وہ برا محسوس ہو رہا ہو۔ دوسری طرف، بظاہر اچھا نظر آنے والے عمل کا نتیجہ اگر برا نکلے، تو سمجھا جائے گا، وہ عمل اچھا نہیں ہے۔ دوسری طرف ، اخلاقی آفاقیت Moral Universalism کے مطابق اخلاقی اقدار عالمگیر ہیں، اچھائی اور برائی کے تصورات، تمام انسانوں کے مانے ہوئے ہیں۔ اچھائی اپنی فطرت کے لحاظ سے اچھائی ہے اس لیے سب کے ہاں یکساں طور پر اچھائی تسلیم کی جاتی ہے۔[29]

مسئلہ خیر وشر اور قرآن حکیم:

انسانی زندگی کے گوناں گوں تجربات میں، انسان کا واسطہ ہر وقت کچھ ایسی چیزوں سے پڑتا ہے جو اس کے لیے بھلائی، بہتری اور سعادت و مسرت کا سرمایہ رکھتی ہیں اور ایسی چیزوں کی بھی زندگی میں کمی نہیں کہ جو تکلیف دہ، کمتر اور ضرر رساں ہیں۔ یہ حقیقت، اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ ، خیر اور شر کا وجود، زندگی کی بنیادی حقیقتوں میں سے ایک ہے۔ لہٰذا، خیر وشر اور ان کے متعلقات، قرآن میں کئی مقامات پر مذکور ہیں۔ قرآن کا طالب علم، آیات الٰہیہ کی مدد سے، مسئلہ خیر وشر کی تفہیم، بہ آسانی کر سکتا ہے۔

خیر کے قرآنی مفاہیم

آیات قرآنی کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ "خیر "بنیادی طور پر ذیل کے معانی میں استعمال ہوتا ہے:

1۔ خیر کا بنیادی معنٰی تو پسندیدہ، مفید، عمدہ اور برتر یا افضل ہے۔ جیسے فرمایا گیا: وَالصُّلْحُ خَيْرٌ۔۔۔ [30] (اور صلح کا عمل خوب ہے۔) یا ارشاد ہوا: وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ۔[31] (اور اگر تم روزے ہی رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے) اسی طرح

ذیل کی آیت میں لفظ خیر ملاحظہ ہو: قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ [32] (کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہوں۔)

یہ آیت قوم بنی اسرائیل کے اس مطالبے کے جواب میں ہے، جس میں انہوں نے من وسلویٰ کی جگہ سبزی، ترکاری اور لہسن پیاز کا مطالبہ کیا تھا۔ قرآن کریم، اس سلسلہ میں، حضرت موسیٰؑ کے جواب کی صورت واضح کرتا ہے کہ نعمت خداوندی مفید، برتر اور عمدہ ہے، ان چیزوں کے مقابلے میں جو بنی اسرائیل کے لوگ اس وقت مانگ رہے تھے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وضاحت کے مطابق یہاں خیر، بمعنی بہتر اور اعلیٰ اس مقصد کو قرار دیا گیا ہے جس کے تحت بنی اسرائیل کو ایک آزمائش سے گذارا جا رہا تھا۔ اس مقصد کے مقابلے میں کھانے پینے میں پسند کی چیزیں اور ان کے لیے بے صبری کا رویہ ادنی اور کمتر ہے۔ [33]

2۔ دوسرا معنیٰ، نیک عمل، اچھائی اور بھلائی ہے، جیسا کہ کلام مجید میں ہے: وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ---(اور جو نیک عمل تم کرو، اللہ جانتا ہے، زاد راہ کا انتظام کرو، پس سب سے بہتر زاد راہ اللہ کی پرہیز گاری ہے۔) ارشاد ہوا: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ --- • [34] (پس تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو---)

اسی طرح، امت مسلمہ کو امت خیر قرار دینے والی آیات میں خیر نیکی اور بھلائی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ --- • [35] (تم سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔) یا فرمایا گیا کہ: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ ---• [36] (اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے---)

علامہ ابن جریر کہتے ہیں: والخير هو العمل الذي يرضاه الله۔ [37] (اور خیر سے مراد وہ عمل ہے جو اللہ تعالی کی رضا کے مطابق ہو۔) علامہ الزمخشری نے مزید وضاحت کی ہے کہ خیر سے مراد نیک اعمال---خدا خوفی اور پرہیز گاری کے علاوہ نیکیوں کا حکم دینا اور بدی سے روکنا، بھی شامل ہیں۔ [38]

3۔ قرآن نے مال ومتاع، دولت/اثاثہ، اور ترکہ کو بھی خیر کہا ہے۔ ذیل کی آیات اس سلسلہ کی واضح دلیل ہیں، فرمایا گیا کہ: وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ --- • [39] (اور (مومنو) تم جو مال خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں کو ہے---) یا، ترکے کا مال: إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ---[40] (اگر فوت ہونے والا مال چوڑ کر جا رہا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ

والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے اچھے طریقے سے وصیت کرے۔۔۔) بعض علماء نے کہا ہے کہ مال کو خیر اس وقت کہا جائے گا جب وہ کثیر ہو اور حلال طریقوں سے کمایا گیا ہو۔[41]

مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوا ہے کہ، قرآن حکیم میں لفظ خیر کا ایک معنیٰ بھلا، عمدہ، بہتر، اور برتر ہے۔ اسی بنیاد پر نیکی بھلائی، اور اعمال نیک کو بھی خیر کہا جاتا ہے۔ خیر کا ایک مفہوم مال، اثاثہ اور ترکہ بھی ہے اور خیر کے مفہوم کا اہم پہلو، صلح، اور امن وسلامتی بھی ہے۔

قرآنی آیات میں شر کے معانی

1۔ شر کا پہلا معنیٰ ہے برا، غیر مفید، ناپسند، اور کمتر۔ جیسا کہ ذیل کی آیات میں اس لفظ کا استعمال واضح کرتا ہے: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ ۖ --- •[42] (جو لوگ مال میں جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں۔ (وہ اچھا نہیں) بلکہ ان کے لئے برا ہے۔۔۔)

اس مقام پر قرآن کی ہدایت سے واضح ہے، وہ لوگ بھی شر کا شکار ہیں جو اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اسی اللہ کی راہ میں، محروم انسانوں کو دینے سے کنجوسی کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ مال اور اس کا بچا کے رکھنا ان کے لیے مفید اور بہتر عمل ہے جب کہ حقیقت میں یہ عمل اور رویے انسانی شرف سے گرا ہوا اور غیر مفید ہے، ایسا ہی عمل اللہ کو ناپسند ہے۔

امام رازی کے مطابق اعمال شر، شیطان کے اشاروں پہ کیے جاتے ہیں۔[43] لہٰذا، وہ فرماتے ہیں: وترك الخير الكثير لأجل الشر القليل شر۔ (خیر کثیر کو ترک کرنا، قلیل شر کی خاطر، شر ہی شر ہے۔) مولانا مودودی نے اس بخیلی کو حماقت قرار دیا ہے کہ انسان اپنی عارضی ملکیت کو بچا کر کیا کرے گا جب کہ یہ مال دراصل اللہ کی ملکیت ہے۔[44]

2۔ شر کا دوسرا معنیٰ ہے برائی، بدی اور ضرر رسانی۔ قرآن نے جہاں ایمان کو نیکی، بھلائی اور کامیابی کی ضمانت بتایا، وہاں کفر یعنی انکار اور ناشکری کے رویہ کو بدی اور نقصان دہ عمل بتایا ہے۔ اسی لیے کفر کا ارتکاب کرنے والوں کو بدترین مخلوق قرار دیا: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ•[45] (بے شک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ دوزخ کی آگ میں پڑیں گے (اور) ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ سب بری مخلوق ہیں۔)

کافراور مشرک اس لیے بدترین مخلوق ٹھہرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کی توحید اور کبریائی ماننے سے انکار کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت کے شعور سے محروم رہے ہیں۔قرآن نے ایسے لوگوں کو شرالدواب بھی کہاہے کیونکہ وہ خیر وشر میں امتیاز کے شعور سے محروم رہتے ہیں۔

3۔ سختی، مشکل اور آزمائش کو بھی قرآنی آیات میں شر سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا؛ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ •[46] (ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔اور ہم تو لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں۔اور تم ہماری طرف ہی لوٹ کر آؤ گے۔)

امام راغب کہتے ہیں کہ : شر بلاء، شدت اور فقر کی صورت میں آتا ہے، اور فتنہ : خیر کی، شر میں اور شر کی، خیر میں تبدیلی سے وجود میں آتا ہے۔اسی طرح وہ ابتلاؤ آزمائش کی وضاحت میں لکھتے ہیں: قيل: الابتلاء في الأصل هو الاختبار، الذي يفصل به بين الخير والشر۔[47] (آزمائش یا ابتلاء کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دراصل خیر وشر کی اس پہچان کا نام ہے جس سے خیر اور شر کے درمیان امتیاز اور فیصلہ کیا جاتا ہے۔)

خیر وشر کی تخلیق اور تعیین

خیر وشر کے سلسلہ میں ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ خیر اور شر کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اور یہ کہ یہ اختیار کس کے پاس ہے کہ کسی چیز، عمل یا رویے کو خیر اور دوسرے کو شر قرار دے؟ آیات قرآنی کے مطالعہ سے اس سوال کا جواب یہ ملتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی خالق ومالک کائنات ہے اور سارے اقتدار اور پوری قوت کا سرچشمہ بھی وہی ہے۔ خیر اور شر کی تخلیق اور انسان کے لیے مفید کو خیر اور انسان ہی کے لیے نقصان دہ کو شر قرار دینا، اسی کے اختیار میں ہے۔اس لیے کہ :

1۔ کائنات میں اللہ رب العالمین کی تخلیق کہیں تو خیر مطلق ہے، یعنی ہر حال میں اور ہر ایک کے لیے مفید اور پسندیدہ۔جیسے اس کا عطا کردہ دین اسلام اور سلسلہ نبوت ورسالت جیسے اللہ تعالیٰ کے انعامات۔فرمایا گیا کہ :

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي۔[48]

(آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمہارے اوپر تمام کر دی۔۔۔)

اور کہیں اس کی تخلیق خیر مقید، جو کسی کے حق میں خیر اور دوسری حالت میں دوسرے کے لیے شر۔ جیسے دولت، طاقت اور اختیار وغیرہ۔فرمایا گیا:

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔[49]

(بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔)

2۔قرآن میں یہ حقیقت بار بار بیان ہوئی ہے کہ انسان اپنے فائدہ اور نقصان کے معاملہ میں اختیار نہیں رکھتا ہے۔اللہ کے پیغمبر بھی اس سلسلہ میں اسی مقام پر ہیں:

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ---• [50]

(کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی---)

علامہ الزمخشری اس آیت کی جو تشریح کی ہے [51]اس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اس موقع پر نبی ﷺ سے کہا گیا کہ وہ کمال عبودیت کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کریں کہ اپنے نفع ونقصان کا اختیار ان کے پاس نہیں اور نہ ہی علم غیب کے خزانے ہیں، کہ وہ اپنے لیے خیر ہی خیر سمیٹ سکیں۔ نفع وضرر اور خیر وشر، اللہ رب العالمین کی قدرت اور اختیار کلی کا معاملہ ہے۔

3۔یہ حقیقت بھی قرآن کی آیات سے واضح ہوتی ہے کہ خیر اور فائدہ، انسان کے لیے تبھی ممکن ہوتا ہے جب اللہ کا اذن اور اختیار عمل میں آتا ہے اور شر کو رفع کرنے کا دار ومدار بھی اللہ رب العالمین کے اختیار اور فضل پر ہوتا ہے:

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ ---[52]

(اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ آپ کے لیے خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔)

علامہ سمرقندی نے اس ایت کی وضاحت میں لکھا ہے کہ:

إنْ يصبك الله بشدة أو بلاء فَلا كاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ، يعني: لا دافع لذلك الضر إلا هو. يعني: لا تقدر الأصنام على دفع الضر عنك وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ يعني: إن يُصِبْكَ بسعة في الرزق وصحة في الجسم، فَلا رَادَّ لِفَضْلِهِ يعني: لا مانع لعطائه۔ [53](یعنی اگر اللہ تعالیٰ کسی کو آزمائش یا سختی میں مبتلا کرے تو اس سے

نجات بھی وہی دے سکتا ہے اور کوئی نہیں۔یعنی وہی ضرر کو دفع کر سکتا ہے، یہ اختیار بتوں کو حاصل نہیں۔اگر اللہ تعالیٰ تیرے لیے خیر چاہے، رزق اور جسمانی صحت کی وسعت و خیر عطا کرے تو اس خیر و فضل کی عنایت سے کوئی اسے روک نہیں سکتا۔)

4۔ خیر کے سارے خزانوں کا مالک رب کائنات ہے، رحمان ورحیم ہے ایسا ہے کہ اس کے علم اور قدرت کا احاطہ ممکن نہیں اور اس کی رحمت ورافت ہر چیز پر وسیع ہے:

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ [54]

(کہو کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔)

اس آیت میں بیدك الخیر کی جیسی تشریح امام الشوکانی نے کی ہے، شاید ہی کسی تفسیر میں ملے۔ وہ لکھتے ہیں: أي: بيدك الخير لا بيد غيرك، وذكر الخير دون الشر: لأن الخير بفضل محض، بخلاف الشر فإنه يكون جزاء لعمل وصل إليه.[55] (یعنی: "اللہ تیرے ہاتھ میں ہے خیر کی قدرت" کا معنیٰ ہے کہ اے اللہ یہ کسی غیر اللہ کی قدرت میں نہیں ہے (سوائے تیرے)۔ یہاں خیر کا ذکر ہے، شر کے بغیر۔ وہ اس لیے کہ خیر اللہ کے فضل محض سے آتا ہے، بخلاف شر کے جو انسان کے اپنے عمل کا بدلہ ہوتا ہے جو اسے ملتا ہے۔) تفسیر جلالین[56] میں ہے کہ: بیدک الخیر (اے اللہ تیرے ہاتھ میں ہے خیر و شر کی طاقت) سے مراد ہے: بقدرتک (اے اللہ تیری قدرت واختیار کا معاملہ ہے خیر و شر۔) امام رازی کے مطابق اللہ تعالیٰ، اسی بنیاد پر خیر کا مبداء، سرچشمہ اور مسبب الاسباب ہے۔[57]

خیر اور شر کے معاملے میں انسان کا شعور اور اختیار:

انسانی دنیا میں کسی چیز کے خیر یا شر ہونے کا علم اور فیصلہ کیسے ہوگا؟ اس سوال کا جواب فلاسفہ کے ہاں تو یہ ہے کہ انسانی عقل اپنے اجتماعی شعور سے یہ فیصلہ کرے گی کہ کیا خیر ہے اور کیا شر۔ قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ انسان کو خیر و شر کا

فیصلہ کرنے میں اپنے اندازوں کی بجائے خدائی علم اور حکم پر ہی انحصار کرنا چاہیے۔ گویا یہ فیصلہ کہ کیا خیر ہے اور کیا شر، انسان کو الہامی دینی شعور کی بنیاد پر کرنا چاہیے، جو کہ اسے ودیعت کر دیا گیا ہے:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا . فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا.[58]

(اور انسانی جان کی قسم جسے استوار کیا گیا اور الہام کر دیا اسے بدی اور پرہیزگاری کا شعور۔)

گویا خیر وشر کی پہچان کا بنیادی شعور الہامی طور پر انسان کی فطرت میں موجود ہے اور ہر شخص غیر ارادی طور پر اس کی پابندی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جھوٹ بولنا، گالی دینا، قتل کرنا، کسی پر ظلم وستم کرنا، یہ ایسی باتیں ہیں۔ جس کو انسان فطری طور پر برا سمجھتا ہے اور کرنے والوں کو ناپسند کہا جاتا ہے۔ ہر مذہب، ہر معاشرہ، ہر قانون ان کاموں کو برا تسلیم کرتا ہے۔

علامہ رشید رضا کہتے ہیں: وأن هداياته الأربع: الحس والوجدان والعقل والدين كافية لأن يعتقد أن كل خير نافع، وكل شر ضار۔[59] (اور بے شک ہدایت کے چاروں ذرائع: حواس، وجدان، عقل اور دین یہ نتیجہ یقینی حد تک اخذ کرنے میں کفایت کرتے ہیں کہ ہر خیر فائدہ مند ہے اور ہر شر نقصان دہ۔) لہٰذا، خیر اور شر کی پہچان یوں آسان ہو جاتی ہے کہ: الخير المطلق وهو الشيء النافع الحسن الملذ وضده الشر المطلق وهو الضار القبيح المؤلم۔[60] (خیر مطلق وہ چیز ہے جو نفع دے، خوبصورتی اور مسرت سے بھرپور، جب کہ شر وہ ہے جو نقصان دہ ہو، بدصورت اور اذیت دینے والی ہو۔)

قرآن اس پہلو کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ انسان، الٰہی ہدایت کو پس پشت ڈال کر، اپنے اندازوں سے جو خیر اور شر کی تعیین کرتا ہے وہ ضروری نہیں کہ مفید اور ٹھیک ہو بلکہ انسان عموماً غلطی کا شکار ہو جاتا ہے:

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔[61]

(مسلمانو) تم پر (خدا کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو۔ اور (ان باتوں کو) خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔)

انسان اپنے محدود علم کی بنیاد پر اور اپنے نفس کی ترجیحات کے مطابق، خیر وشر کا فیصلہ کرتا ہے۔اس بنیاد پر وہ طلب دنیا میں زیادہ گم رہتا ہے۔قرآن کے مطابق طلب خیر،دراصل طلب آخرت اور طلب جنت ہے جو سراسر نفع اور ضر رسے بچاؤ ہے۔قرآن پاک نے انسان کے اس رویے کی نشاندہی بھی کی ہے، جو خیر کی طلب میں اور شر میں گھر جانے کی صورت میں،انسان کی شخصیت سے ظاہر ہوتا ہے:

لَا يَسْأَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ۔ [62]

(انسان بھلائی کی دعائیں کرتا کرتا تو تھکتا نہیں اور اگر تکلیف پہنچ جاتی ہے تو نا امید ہو جاتا اور آس توڑ بیٹھتا ہے۔)

گویا انسان اپنی زندگی میں خوشگواری کی دعا اللہ سے کرتا ہے اور اس کا رب اسے عطا کرتا ہے مگر جب آزمائش کے طور اسے کوئی مشکل حالات سے واسطہ پڑنے پر، صبر کی بجائے مایوسی کا اظہار کرتا ہے۔لٰہذا،اس آیت کی تفسیر جلالین میں یوں ہے: {لا يسأم الإنسان من دعاء الخير} أي لا يزال يسأل ربه المال والصحة وغيرهما {وإن مسه الشر} الفقر والشدة {فيؤس قنوط} من رحمة الله وهذا وما بعده في الكافرين-[63] (یعنی انسان اپنے رب سے مال متاع اور صحت وغیرہ کی خوشگواریاں مانگتے نہیں تھکتا اور اگر اسے غربت اور شدید حالات کا سامنا کرنا پڑے تو وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے، یہ مایوسی اور اس کے بعد اس کا رویہ ناشکری اور کافروں والا ہو جاتا ہے۔)

قبولیت خیر کا منطقی نتیجہ فلاح ہے

قرآن نے وضاحت فرمائی ہے کہ انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد، خیر وشر کا شعور دینا اور لوگوں کو خیر کی طرف بلانا ہے۔انبیائے کرام، عوام الناس کو ایمان و عمل کی طرف دعوت دیتے ہیں، خیر کے راستے پر چلنے کے انعامات کا ذکر خوشخبری کی صورت میں کرتے ہیں اور شر کے راستے پر چلنے کے انجام کا ڈر سناتے ہیں۔[64] گویا،اللہ کی طرف سے راستہ دکھانے والے اللہ کے نمائندے مقرر ہوتے ہیں، نبی اور رسول کے طور پر۔آخری نبی بھی مبعوث ہو چکے ہیں،اب خیر وشر کے کسی الجھن کو سلجھانے کے لیے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات سے فائدہ حاصل کرنا ہوگا۔

انبیائے کرام پر ایمان لانے کا تقاضا،اللہ کے رسولوں کے ساتھ،اعمال خیر بجالانا ہے۔یہ نعمت اسی دنیا کی زندگی میں رکھی گئی ہے:

لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔[65]

(لیکن پیغمبر اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے سب اپنے مال اور جان سے لڑے۔ انہیں لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں۔ اور یہی مراد پانے والے ہیں۔)

قرآن نے انبیائے کرام کے ذکر میں خیر اور نیکی کی ساری صورتوں کا ذکر بھی کیا ہے، اور رسولوں کے مقدس سلسلے کو بابرکت کرکے انسانوں کے لیے عملی نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے اور واضح کیا ہے نیکی اور خیر کے راستوں پر، نبیوں کو انسانوں کا راہنما بنا کر بھیجا گیا ہے، لہٰذا ان انبیاء پر ایمان لانے کے ساتھ جو نیک عمل کیے جائیں وہ آدمی کو ہمیشہ کی خوشیوں اور مسرتوں سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اسی لیے قرآن پاک نے انبیاء اور ان پر ایمان لانے والی جماعتوں کا ذکر بڑے وقار کے ساتھ کیا ہے، کیوں کہ یہی خیر کے راستے پر ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو صدق، انصاف اور راستی پر چلنے والے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ان راہوں پہ آنے کو تیار نہیں یا آکے لوٹ جاتے ہیں، خواہشات کے پیچھے لگ کر، وہ خسارے کا سودا کرتے ہیں، خیر سے محروم رہتے ہیں۔

ایمان اور خیر ایک ساتھ

قرآن کی تعلیم کے مطابق، اللہ اور اس کے رسولوں کی تعلیم پر ایمان لانے کے ساتھ خیر کا راستہ طے ہو سکتا ہے، اور یہ ایمان شرط ہے خیر کے شامل حال ہونے کی۔ دنیوی زندگی ایمان کے ساتھ گذارنے ہی کی صورت میں، دنیا اور آخرت، دونوں مقامات پر انسان کو خیر میسر آئے گی۔ لہٰذا، ارشاد ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۔ [66]

(اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو خدا کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا۔ اے کاش، وہ یہ جانتے۔)

مفسرین کرام کی آراء کے مطابق، ایمان اور پرہیز گاری خیر کا سرچشمہ ہیں اور خیر ہی انکا ثمر ہے۔ شر سے اجتناب ہی خیر ہے۔ خیر مستحق ثواب اور شر مستحق سزا ہے۔ اہل کفر نے ایمان سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ کے دربار سے رد کر دیے گئے اور خیر سے محروم رہے:

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ [67]

(اور جو کافر تھے اُن کو خدا نے پھیر دیا وہ اپنے غصے میں (بھرے ہوئے تھے) کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے۔)

اہل کفر، یہ انجام اس لیے بھی ہے کہ وہ دنیا میں اپنی حدوں سے باہر نکل گئے اور، تکبر اور غصے کا شکار ہو کر، اپنے رب کے باغی ہو گئے۔ یہ بغاوت قرآن کے الفاظ میں طغیان ہے جسے علامہ رشید رضا کی رائے میں شر کی قسم قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں: الطغیان تجاوز الحد في الشر۔[68] (گناہ اور بغاوت، شر کی بنیاد پر حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔)

انسان اپنے شر کو دنیا میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی فساد کے پس منظر میں چھپ کر ظاہر میں امن پسند بنے ہوتے ہیں اور کبھی منافقت کی بنیاد پر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ کہ فساد بھی شر ہے جیسے کہ علامہ ابن کثیر نے لکھا کہ: وكذا الإفساد في الأرض يطلق على أنواع من الشر۔[69] (اور اسی طرح فساد پھیلانے عمل شر کی ایک قسم ہے۔)۔ منافقت بھی خفیہ فساد ہے جیسا کہ ابن کثیر فرماتے ہیں: النفاق هو إظهار الخير وإسرار الشر۔[70] (نفاق حقیقت میں خیر ظاہر کرنا اور شر چھپانا ہے۔) ۔امام قرطبیؒ، نے نقل کیا کہ: قالَ النحاس: السوء أشد الشر۔[71] (النحاس نے کہا ہے: بدی سب سے شدید شر ہے۔)

قرآن نے انسانی زندگی کو دو حصوں میں بیان کیا ہے؛ دنیا اور آخرت۔ انسان دنیا کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے جب کہ قرآن کے مطابق، آخرت دنیا سے بہتر ہے اور وہاں خدائے بزرگ و برتر انصاف کے خیر کی بنیاد پر فیصلے کرے گا۔ اسی لیے قرآن نے فیصلہ، تا قیامت لکھ دیا ہے:

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ ... •[72]

(اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور مشغولہ ہے۔ اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے۔۔۔)

علامہ الجوزی کہتے ہیں کہ ہر عمل اس کے اہل کے ساتھ مستقل قرار پاتا ہے۔ لہٰذا، وہ کہتے ہیں: فالخير يستقِرُّ بأهل الخير، والشر يستقِرُّ بأهل الشر۔[73] (پس خیر والوں کے ساتھ خیر، ان کی صفت کے طور پر جڑا ہوتا ہے اور شر میں مبتلا ہونے والوں کے ساتھ شر چپک جاتا ہے۔)

تلخیص تحقیق

دین اسلام اپنی حقیقت اور مزاج کے لحاظ سے اللہ کی معرفت، بندگی رب، اللہ کا تشکر، اپنے باطن کی پاکیزگی، شر سے اجتناب اور خیر کا انتخاب ہے۔[74] اسی بنیاد پر شر سے نجات اور خیر کی برکتوں کی بشارتیں داعیان اسلام کے لیے، اللہ کا

انعام بنتی ہیں: فیبشروہم بذھاب الشر وحصول الخیر ۔ [75] (پس ان کو خوشخبریاں دیں شر سے دوری اور خیر کے حاصل کرنے پر۔)

قرآن حکیم نے ایمان لانے اور خیر کا راستہ اپنانے کو ہی اصل خیر اور بھلائی قرار دیا ہے اور اس پر دوسروں کو بھی ابھارنے والوں کو نیک اور صالح قرار دیا ہے۔انسان کے انفرادی اور اجتماعی سطح پر کیے گئے اعمال جو شر کا باعث بنتے ہیں، ان کی نشاندہی، قرآن میں واضح طور پر کر دی گئی ہے تاکہ انسان محتاط رویہ اپنالے، اور وہ جانتے بوجھتے بدی کا شکار نہ ہو۔

مفکر اسلام، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال[76](1876-1938)نے خیر اور شر کے معاملے کو اپنے افکار اور اشعار کا موضوع بنایا ہے۔اقبال انسانی زندگی کو پیکار تصور کرتے ہیں جس کی بنیاد، خیر وشر کی ثنویت پر قائم ہے۔اقبال نے خیر کو جبرائیل اور شر کو شیطان سے تشبیہ دی ہے۔اقبال کے نزدیک، آدم کی لغزش اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کو جنت میں سکون نہیں تھا، تحرک، اضطراب اور جستجو، زندگی کی جان ہیں۔[77]ان کے خیال میں انسان کا کام عناصر فطرت اور کائنات کی تسخیر و تکمیل ہے۔اگر اس راہ میں شیطانی قوتیں حائل نہ ہوں تو ارتقاء ممکن نہیں۔اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا انسانی زندگی ان رکاوٹوں کی وجہ سے آگے بڑھتی ہے۔[78]

کائناتی نظام اور انسانی معاشروں میں قانون کا وجود اور نفاذ یہ بتاتا ہے کہ دنیاوی اور دینی دونوں اعتبار سے خیر و شر کی تعیین اور اس کی بنیاد پر جزا و سزا کی تنفیذ بہت ضروری ہے۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قانون نام ہی خیر کے نفاذ اور شر سے روکنے کا ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ خیر سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کو انفرادی اور اجتماعی افادیت کی حامل ہو۔یہ افادیت مادی بھی ہو سکتی ہے اور روحانی بھی، دنیاوی بھی ہو سکتی ہے اور اخروی بھی۔۔۔اور شر سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کو انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے ضرر رسانی کا باعث بنے، دنیا میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔اللہ تعالیٰ کے اذن اور ارادے کے ساتھ توفیق حاصل ہو جائے تو انسان نہ صرف خیر وشر کے شعور وہدایت سے فیضیاب ہو جاتا ہے بلکہ وہ دنیا اور آخرت کی فلاح پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔الہامی ہدایت قبول کر لینے سے نہ صرف خیر اور شر کا بہتر شعور انسان کو حاصل ہو جاتا ہے بلکہ خیر مطلق تک رسائی کے نتیجے میں انسان خیر مقید کی آزمائشوں میں بھی کامیاب و کامران ٹھہرتا ہے۔اسی بنیاد پر وہ

شر ورِ انفس و آفاق کی آفات سے محفوظ ہو کر اپنے رب کے پسندیدہ بندوں میں داخل ہو جاتا ہے، اور دنیا و آخرت میں، انفرادی واجتماعی زندگی کو مسرت اور سعادت سے معمور کر لیتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

[1] الاصفہانی ، الراغب۔المفردات ۔کراچی: قدیمی کتب خانہ، ص: 167- 168

ابن درید ، محمد بن الحسن۔ جمہرۃ اللغۃ ۔ بیروت:دارالعلم1987ء۔ج: 1، ص: 594

الزمخشری،محمود بن عمر، اساس ا لبلاغہ۔ بیروت:دارالکتب 1998ء۔ج: 1، ص:273

[2] Oxford Dictionaries: http://www.oxforddictionaries.com/definition/good/evil,
http://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/good/evil,
Accessed on June 11, 2019, at: 10: 20 AM

[3] قدیم یونان کا سب سے اہم فلسفی، جسے فلسفے کے بانیوں میں تسلیم کیا جاتا ہے۔اس کے فلسفیانہ افکار میں بنیادی اہمت کا حامل اس کا تشکیکی اور جدلیاتی طریقہ تفتیش ہے۔سقراط کا اہم شاگرد افلاطون اور افلاطون کا اہم ترین شاگرد ارسطو ہے۔

[4] وحید عشرت۔ خیر وشر۔لاہور: سنگ میل2007ء۔ص:94

[5] Terence Irwin, *The Development of Ethics*, vol. 1, Oxford University 2007, p: 147

[6] یونانی فلسفہ کا اہم ترین ستون، اعلی تعلیم اور فلسفے کے لیے پہلے ادارے Academus کی بنیاد رکھی۔افلاطون کو نظریہ مثالیت پسندی کے بانی کے طور پر جانا جاتا ہے۔وہ پہلا فلسفی جس کا تصنیفی سرمایہ میسر ہے۔

[7] http://plato.stanford.edu/entries/plato-ethics, Accessed on June 2,2017, at 11:00 AM

[8] Allen, R. *Plato's Euthyphro and the earlier Theory of Forms*. London: Rutledge 1970, p: 105

[9] یونانی منطق کا بانی، جسے آج بھی سیاست، نفسیات اور اخلاقیات کا سب سے بڑا مفکر سمجھا جاتا ہے۔اس نے لائیسیم Lyceum نام سے فلسفے اور اعلیٰ تعلیم کا ادارہ قائم کیا۔

[10] Louis Paul Pojman, James Fieser. *Ethics: Discovering Right and Wrong*, US: Engage Learning 2017, p: 11

[11] Ibid, p: 97

[12] Bertrand Russell. *History of Western Philosophy*, London: Routledge 2009, p: 188

[13] یونانی فلسفے کے ایک انتہائی بااثر مکتب کا بانی، جس نے لذت، دوستی اور خلوت کے اخلاقی فلسفے کی بنیاد ڈالی۔

[14] وحید عشرت۔ خیر وشر، ص:506-513

[15] سیوہاروی، حفظ الرحمان۔ اخلاق اور فلسفہ اخلاق۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ ۔ص:120-122

[16] فرانسیسی فلسفی، جو جدید مغرب کا ممتاز ریاضی دان، اور سائنس دان بھی تھا۔ رینے ڈیکارٹ، اس فلسفیانہ تحریک کی پہلی بڑی شخصیت تھی جسے عقلیت پسندی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

[17] Descartes. *Meditations on First Philosophy in Focus*. Taylor & Francis 2003, p: 13, 17

[18] Bertrand Russel. *History of Western Philosophy*, p: 138

[19] روشن خیالی کے دور میں سب سے زیادہ متاثر کن فلسفی۔ مابعد الطبیعات، اخلاقیات اور جمالیات سے متعلق ہر فلسفیانہ تحریک پر گہرا اثر ڈالا ہے۔

[20] Louis Paul Pojman, James Fieser. *Ethics: Discovering Right and Wrong*, p: 127

[21] انگریز فلسفی، ماہر معاشیات اور لبرل ازم کی تاریخ میں سب سے بااثر مفکر۔ منطق اور سائنسی طریقہ کار پر اپنی تحریروں اور معاشرتی اور سیاسی زندگی سے متعلق اپنے بڑے مضامین کے لئے مشہور ہے۔

[22] سکاٹش مورخ، معاشیات دان، سیاسی نظریہ ساز، اور فلسفی تھا۔ اس کا شمار ریکارڈین اسکول آف اکنامکس کے بانیوں میں ہوتا ہے۔

[23] ایک انگریز فلسفی اور معاشرتی مصلح تھا جسے جدید افادیت پسندی کا بانی سمجھا جاتا تھا۔

[24] Bertrand Russell. *History of Western Philosophy*, p: 776

[25] مشہور جرمن فلسفی، ثقافتی نقاد، شاعر، ماہر طبیعات، جس کے کام نے جدید دانشورانہ تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ نطشے مذہب، اخلاقیات، عصری ثقافت فلسفہ اور سائنس سے متعلق تنقیدی تحریروں کے لئے جانا جاتا ہے۔

[26] Bertrand Russel, *History of Western Philosophy*, p:762

[27] Louis Paul Pojman. *Ethics: Discovering Right and Wrong*, p: 129

[28] Richard Rorty. *Consequences of Pragmatism*. University of Minnesota 1982, p: 123

[29] Samuel Scheffler. *Consequentialism and Its Critics. US:* Oxford University Press, 1988, p: 129

[30] النساء 4 : 128

[31] البقرہ 2 : 184

[32] ایضاً : 61

[33] مودودی،ابوالاعلیٰ،سید۔ تفہیم القرآن۔لاہور:ادارہ ترجمان القرآن،1991ء،ج:1،ص:81

[34] البقرہ 2 : 148

[35] آل عمران3: 110

[36] آل عمران3: 104

[37] الطبری، محمدابن جریر۔ جامع البیان فی تاویل القرآن۔مؤسسۃ الرسالۃ 2000ء، ج: 2، ص: 505

[38] الزمخشری ،الکشاف۔ بیروت :دارالکتاب العربی 1407 ھ ج: 1، ص: 396

[39] البقرہ2: 272

[40] ایضاً: 197

[41] الاصفہانی ، المفردات ، ص: 168

[42] آل عمران 180:3

[43] الرازی، محمد بن عمر، فخرالدین۔ مفاتیح الغیب۔ بیروت : دار احیاء التراث العربی 1420ھ ، ج: 1، ص:234

[44] سید مودودی، تفہیم القرآن۔ج:1،ص:306

[45] البینہ 6:98

[46] الانبیاء 21 : 35

[47] الاصفہانی،تفسیر الراغب ، ج: 3، ص: 936

[48] المائدہ 5: 3

[49] التغابن 64: 15

[50] الاعراف 7 : 188

[51] الزمخشری،الکشاف،ج: 2، ص: 185

[52] یونس 10: 107

[53] السمرقندی،بحرالعلوم، ج: 2، ص: 135

[54] آل عمران 26:3

[55] الشوکانی، محمد بن علی۔ فتح القدیر۔بیروت: دارالکلم 1414 ھ، ج: 1، ص: 378

[56] المحلی، السیوطی، جلال الدین۔ تفسیر جلالین۔ القاہرہ: دارالحدیث ، ج: 1، ص: 69

[57] الرازی،مفاتیح الغیب، ج: 1، ص: 234

[58] الشمس 91 : 7- 8

[59] رشید رضا ، تفسیر المنار، ج: 3، ص: 122

[60] الاصفهانی،تفسیر الراغب ، ج: 1، ص: 78 ، 211

[61] البقرہ 216:2

[62] حم السجدہ 41 : 49

[63] المحلی، السیوطی، تفسیر جلالین ، ج: 1، ص: 637

[64] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر-تفسیر قران العظیم -بیروت: دارالکتب العلمیہ 1419ھ ، ج: 1، ص: 65

[65] التوبہ 9: 88

[66] البقرہ2: 103

[67] الاحزاب 33 : 25

[68] رشید رضا، تفسیر المنار، ج: 12، ص: 188

[69] ابن کثیر، تفسیر قران العظیم ، ج: 3، ص: 87

[70] ایضاً، ج: 1، ص: 85

[71] القرطبی، محمد بن احمد- الجامع لاحکام القرآن- مصر: دارالکتب مصریہ، 1384ھ، ج: 14، ص: 10

[72] الانعام 6 : 32

[73] الجوزی، عبدالرحمٰن بن علی- زاد المسیر - بیروت: دارالکتاب العربی ، 1422ھ، ج: 4، ص: 197

[74] ایضاً، ج: 12، ص: 187

[75] ابن کثیر، تفسیر قران العظیم ،ج: 7، ص: 162

[76] شاعر، فلسفی، سیاست دان اور مفکر و متکلم - پاکستان کے لیے ان کی خدمات کی بدولت ان کو Spiritual Father of Pakistan کہا جاتا ہے۔

[77] صدیقی، ڈاکٹر رضی الدین- اقبال کا تصور زمان و مکان- لاہور: مجلس ترقی ادب 2014ء- ص:48

عبدالرحمان طارق- جہان اقبال- لاہور: اشاعت منزل 1955ء- ص: 411-412

[78] M. Munwer & Suhail Umer. *Iqbal Poet-Philosopher of Islam*, Lahore: Iqbal Academy , Pakistan 2012, *pp*: 123-128

Anwar Beg. *The Poet of the East*. Lahore: Iqbal Academy Pakistan 2004, *pp*: 249-251s